VOL- 9, ISSUE-1, 2025

Al-Safiir

https://al-safiir.com/index.php/Al-Safiir/About-the-Journal

2709-605X Online ISSN

2709-6041 Print ISSN

Psychological Diversity in the Short Stories of Arsh Siddiqui

عرش صدیقی کےافسانوں میں نفسیاتی تنوع

Dr. Humaira

Assistant Professor Urdu, Islamia College University, Peshawar

ڈاکٹرسلیمان محمد

لیکچرار, اردو شعبہء,اسلامیہ کالج یونیورسٹی پشاور

ڈاکٹرالدین شہاب

لیکچرار, اردو شعبہء,اسلامیہ کالج یونیورسٹی پشاور

Abstract

Arsh Siddiqui created four poetry and two fiction collections in his creative journey. His element of personality is very prominent in his creative, research and critical literature. He is a creative thinker. He had his own unique opinion about every aspect of life and literature. His literary work is a testament to the fact that he presented his own unique point of view in everything. He has beautifully highlighted his unique angles of thought in fiction. Although he has written very few fictions, he rejected seven of them and his first fiction genre is "Bahir Kafan Se Paon". This collection includes nine short stories: "Mor Paon", "Bherain", "Takmeel ka Zakhm", "Farishta,Chotha Majosi", "Zill-e-Elahi", "Kuttay", "Ham Nasheeni ka Azaab" and "Bahir Kafan Se Paon". Compiled by Dr. Tahir Tounsvi, he has included them in this collection under the titles "Ekjahan sab say alag", "Aarhy Tirchay Khutoot", "Sahra", "Sannata", "Shezadi", "Sona Aangan" and "Ooncha Rozgar", while Tahir Tounsvi has published seven rejected short stories under the title "Saat Mustazad Afsanay" by Arsh Siddiqui. Thus, he has created a total of sixteen short stories. These short stories by Arsh Siddiqui are a beautiful blend of tradition and innovation.This article narrates the psychological aspects of his short stories.

Key Words: Arsh Siddiqui, "Bahir Kafan Se Paon". This collection includes nine short stories: "Mor Paon", "Bherrain", "Takmeel ka Zakhm", "Farishta,Chotha Majosi", "Zill-e-Elahi", "Kuttay", "Ham Nasheeni ka Azaab" and "Bahir Kafan Se Paon "Ekjahan sab say alag", "Aarhy Tirchay Khutoot", "Sahra", "Sannata", "Shezadi", "Sona Aangan" and "Ooncha Rozgar", "Saat Mustazad Afsanay".

عرش صدیقی ۲۱ جنوری ۱۹۲۷ء کو گورداس پور میں پیدا ہوئے۔ والدین نے ان کا نام ارشادالرحمن رکھا لیکن علمی و ادبی حلقوں میں عرش صدیقی کے نام سے مشہور ہوئے۔ ان کے والد بشیر الرحمن ایشیا کے سب سے بڑے ہائیڈرالک بجلی گھر میں نقشہ نویس کی حیثیت سے ملازم تھے۔ قیامِ پاکستان کے بعد سرگودھا اور لاہور میں ملازمت کا باقی عرصہ گزرا۔ عرش صدیقی کی ابتدائی تعلیم و تربیت میں ان کے والد بشیر الرحمن کا بڑا کردار رہا۔ والد کے علاوہ عرش صدیقی کی نانی اماں شاہ جہان بیگم نے بھی علمی و اخلاقی تربیت کی۔

VOL- 9, ISSUE-1, 2025

Al-Safiir

https://al-safiir.com/index.php/Al-Safiir/About-the-Journal

2709-605X Online ISSN

2709-6041 Print ISSN

پرائمری جماعتوں میں ہندی زبان کا مضمون لازمی ہونے کی وجہ سے عرش صدیقی کو ''رامائن مہابھارت''، ''بیتال پچیسی''، ''بیتال بتیسی''، ''توتا کہانی'' جیسے مالائی اور مذہبی کتب پڑھنے کا موقع ملا۔ انہوں نے میٹرک کا امتحان اسلامیہ ہائی سکول لدھیانہ (انڈیا) سے ۱۹۴۵ء میں درجہ اوّل میں پاس کیا۔ انٹر میڈیٹ کا امتحان گورنمنٹ کالج لدھیانہ سے پاس کیا۔ ۱۹۴۹ء میں انہوں نے بی۔ اے آنرز کا امتحان پنجاب یونی ورسٹی کی فیکلٹی آف اورینٹل لرننگ اور بی۔ اے کا امتحان فیکلٹی آف آرٹس سے پاس کیا۔ عرش صدیقی نے جون ۱۹۵۵ء میں انگریزی ادبیات میں پوسٹ گریجویشن کی ڈگری حاصل کی۔ انہیں ورلڈ یونی ورسٹی بنن ایری زون امریکہ نے ادبیات میں کلچرل کی ڈاکٹریٹ کی ڈگری عطا کی۔ قیام پاکستان کے بعد جب عرش صدیقی کا خاندان لاہور میں قیام پذیر ہوا تو انہیں شدید مالی مشکلات کا سامنا کرنا اور جب ان کے والد بشیر الرحمن ۱۹ اکتوبر ۱۹۵۳ء کو فوت ہوئے تو ان کے مالی مسائل اور زیادہ گھمبیر ہو گئے۔ وہ دورانِ تعلیم دو روپے سے لے کر دس روپے ماہانہ تک ٹیوشن بھی پڑھاتے رہے اور کئی چھوٹی چھوٹی ملازمتیں بھی کیں۔ عرش صدیقی کے خاندان کو درپیش مالی مشکلات کا ذکر کرتے ہوئے ڈاکٹر شوذب کاظمی لکھتے ہیں:

> ''عرش صدیقی اپنی والدہ اور دیگر افراد کے ساتھ چوبرجی کوارٹرز میں رہائش پذیر ہوئے۔ قیامِ پاکستان کے بعد دو سال تک ان کی تعلیم منقطع رہی کیوں کہ مالی حالات بہت خراب ہو گئے تھے۔ یہی دور تھا جب اس خاندان پر کئی دن فاقوں کے بھی گزرے۔ چناں چہ عرش صدیقی کو جسم وجان کا رشتہ قائم رکھنے کے لئے بہت محنت کرنا پڑی۔ معمولی رقم کے لئے ٹیوشن کا کام کیا۔ دو روپے فی طالب علم کے حساب ٹیوشنیں پڑھائیں۔ انار کلی کی دوکانوں کے لئے کاغذات ٹائپ کئے۔ کلرکی بھی کی، دو دو تین تین گھنٹے بعض دوکانوں اور اداروں میں کام کیا۔''(1)

عرش صدیقی ۱۹ اکتوبر ۱۹۵۸ء کو غوثیہ صدیقہ سے رشتہ ازدواج میں منسلک ہوئے۔ غوثیہ ملتان سے رخصتی کے بعد کچھ عرصہ لاہور میں مقیم رہیں۔ اس کے بعد ملازمت کے شروع ہونے پر مظفر گڑھ آ گئیں۔ ابتدائی طور پر سکول کیڈر میں ملازم رہیں اور ایم۔ اے (اُردو) کرنے کے بعد لیکچرر مقرر ہوئیں۔ غوثیہ صدیقی کے بطن سے تین بیٹے اور دو بیٹیاں پیدا ہوئیں۔ بڑی بیٹی منزہ پانچ سال کی عمر میں وفات پا گئی۔ بڑے صاحب زادے جہاں زیب صدیقی پیشے کے اعتبار سے ڈاکٹر ہیں۔ آج کل میں مقیم ہیں۔ دوسرے صاحب زادے اورنگ زیب صدیقی کمپیوٹر انجینئر ہیں۔ یہ ملتان میں اپنے آبائی گھر میں مقیم ہیں۔ چھو چھوٹے بیٹے دانیال صدیقی بھی میڈیکل ڈاکٹر ہیں اور آج کل امریکہ میں مقیم ہیں۔ عرش صدیقی کی سب سے چھوٹی بیٹی ڈاکٹر جہاں تاب ۱۷ اکتوبر ۱۹۹۶ء کو رمیز احمد سے شادی کے بعد ڈہرکی میں مقیم ہیں۔ عرش صدیقی ۱۹۸۷ء سے عارضہ قلب اور ذیابیطس جیسے مہلک مرض میں مبتلا تھے۔ انہوں نے تسلسل کے ساتھ ان بیماریوں کا علاج جاری رکھا اور خاص حد تک کنٹرول کر لیا۔ ۱۹۹۶ء میں لبلبہ کے کینسر میں مبتلا ہوئے۔ مستقل علاج کے باوجود کوئی افاقہ نہ ہوا۔ بالآخر 8 اپریل ۱۹۹۷ء کو طویل علالت کے بعد خالق حقیقی سے جا ملے۔

ادب معاشرے کے خواب کی تعبیر ہوتا ہے۔ خواب جتنا بھی بھیانک ہو، خواب دیکھنے والا ہمیشہ اس کی خوش گوار تعبیر چاہتا ہے۔ اجتماعی فکر کے حامی صرف خواب ہی نہیں دیکھتے اس کی تعبیر بھی چاہتے ہیں۔ بعض اوقات یہ صداقتیں اتنی تلخ ہوتی ہیں کہ لوگ ان کا سامنا نہیں کر سکتے تاہم اچھا ادیب ہمیشہ سچائی کے زاویوں کو آشکار کرتا ہے۔ عرش صدیقی نے ایسی ذہنی، قلبی اور سماجی حقیقتوں کو اپنے افسانوں میں کھل کر بیان کیا ہے۔

عرش صدیقی نے افسانہ نگاری کے ساتھ نظم و غزل میں بھی طبع آزمائی کی۔ دیدۂ یعقوب (اردو نظم، غزل)، ''محبت لفظ تھا میرا (نظمیں)، ''ہر موج ہوا تیز (غزلیں)، کالی رات دے گھنگرو (پنجابی نظمیں اور گیت ان کے شعری مجموعے ہیں۔ عرش صدیقی نے اُردو تحقیق و تنقید میں بھی اپنی صلاحیتوں کا اظہار کیا۔

VOL- 9, ISSUE-1, 2025

Al-Safiir

https://al-safiir.com/index.php/Al-Safiir/About-the-Journal

2709-605X Online ISSN

2709-6041 Print ISSN

پاکستان میں اُردو دوہے کا ارتقاء ان کا ایک جامع تحقیقی کام ہے۔ ’’تکوین‘، شعور، سائنسی شعور اور ہم بھی تحقیقی و تنقیدی مقالات کے مجموعے ہیں۔ عرش صدیقی کی تالیفات میں درج ذیل کتب شامل ہیں "میرزا ادیب کے بہترین افسانے‘‘، ’’سب رنگ‘‘ (ملتان ڈویژن کے ادبا اور شعرا کی منتخب تحریریں) علی کی سرگزشت شاخِ نہالِ غم کلام انوار انجم) اگرچہ عرش صدیقی ساری زندگی انگریزی ادب کی درس وتدریس میں مصروف رہے لیکن انہوں نے اُردو ادب میں تخلیقی، تنقیدی اور تحقیقی سطح پر خاصا وقیع کام کیا ہے۔ وہ ایک ایسے کہانی کار کے روپ میں ہمارے سامنے آتے ہیں کہ جنہیں اپنے فن اور اندازِ اظہار پر پختہ یقین ہے۔ سات مستر د افسانے‘‘ کو مرتب کرنے کا جواز ڈاکٹر طاہر تونسوی ان لفظوں میں پیش کرتے تو ہیں:

> ’’مجھے یقین ہے کہ عرش صدیقی کے یہ سات افسانے جو اپنے موضوعات، تکنیک، ٹریٹ منٹ اور اسلوب کے اعتبار سے اپنے ہم عصر افسانہ نگاروں سے الگ تھلگ ہیں۔ اُردو افسانے کی روایت کا اہم ترین ستون قرار پائیں گے۔‘‘(2)

عرش صدیقی نے اتنے کم تخلیقی سرمائے کے باوجود اپنی فن کارانہ صلاحیتوں اور کڑے تنقیدی معیار کی بدولت اُردو افسانے میں وہ مقام حاصل کیا جو لوگوں کو درجن بھر کتابیں لکھنے کے بعد بھی حاصل نہیں ہوتا۔ عرش صدیقی کے دونوں افسانوی مجموعے دو مختلف انداز کے حامل ہیں۔ "باہر کفن سے پاؤں" میں علامت کو افسانے کے تخلیقی اظہار میں ایک خوب صورت آلۂ حرب کے طور پر استعمال کیا گیا کہ ’’سات مستر د افسانے "ان کے ابتدائی دور کی لکھی گئی کہانیاں ہیں۔ ان میں رومان اور حقیقت کا امتزاج نظر آتا ہے۔ یہ رویہ ان کے بعد کے افسانوں میں بھی نظر آتا ہے۔ عرش صدیقی کے افسانوں میں حقیقت پسندی میں بھی تخیلی حسیت کا عمل دخل موجود ہے۔

ان کے افسانوں کے موضوعات میں اپنے عہد کی پیچیدگیاں اور وہ تمام خواہشات موجود ہیں جو ایک انسان کے دل میں پیدا ہوتی ہیں۔ انہوں نے مختلف سطح کے ذہنی کرداروں کی نفسی کیفیات کو بھی اپنے افسانے کا موضوع بنایا ہے۔ عرش صدیقی ان افسانوں میں عصرِ حاضر کے ترجمان فن کار کے طور پر سامنے آتے ہیں۔ ڈاکٹر انور احمد لکھتے ہیں:

> ’’حقیقت یہ ہے کہ عرش صدیقی نے اپنے افسانوں میں ہمیں اسی وسیع اور بسیط کائنات سے متعارف کرایا ہے جو ہمارے اندر آباد ہے اور جسے دیکھنے کے لیے کیمیائی روشنی کے بجائے دیدۂ بینا کی ضرورت ہوتی ہے۔۔۔ عرش صدیقی کے ہاں وہ تمام جذبے جو بے لگام اور منہ زور ہوتے ہیں مثبت اور تہذیب یافتہ صورت اختیار کر جاتے ہیں۔‘‘(3)

گرچہ سات مستر د افسانوں میں ’’سناٹا‘‘، ’’اونچا روزگار‘‘ اور ’’ صحرا ‘‘عرش صدیقی انتخاب کا حصہ نہیں بن سکے لیکن ان افسانوں میں بڑی گہری رمزیت پائی جاتی عرش صدیقی نے ان افسانوں میں کرداروں کی ظاہری حیثیت کے ساتھ ساتھ ان کی باطنی حیثیت اور نفسی تہہ داریوں کو بھی موضوع بنایا ہے۔ اونچا روزگار‘‘ میں انہوں نے فرائیڈ کے جنسی بھوک کے نظریے کو رد کرتے ہوئے عملی بھوک اور غربت کے نظریے کو بنیاد بنایا ہے۔ پاٹودی والی طوائف عاشق علی اور پیارے میاں تینوں ایسے کردار ہیں جو بھوک اور افلاس کے ہاتھوں مجبور ہو کر جسم فروشی جیسے مکروہ دھندے میں ملوث ہوتے ہیں:

> ’’مالک بڑا بے نیاز ہے۔ وہ دیتا ہے تو چھپر پھاڑ کر دیتا ہے۔ ہزار میں سے ڈھائی سو تیرے ڈھائی سو میرے مزا آجائے گا۔ اب سکھ چین ہو جائے گا۔ اب باغ علی تیری خوشامد کرے جب بھی اس کے ہاں

VOL- 9, ISSUE-1, 2025

Al-Safiir

https://al-safiir.com/index.php/Al-Safiir/About-the-Journal

2709-605X Online ISSN

2709-6041 Print ISSN

> رشتہ مت کرنا۔اللہ میاں کا بڑااحسان ہے آج صبح سے چار روپے کی بکری میں بارہ آنے کی بچت ہوئی ہے۔یہ لے سار. لے سارے داتادر بار جا کر نیاز دے دینا۔اللہ برکت دینے والا ہے۔" (4)

"سناٹا" اور "صحرا" کی فضا میں زندگی کے ساکت ہو جانے کا احساس بہت نمایاں ہے۔اگرچہ ان افسانوں میں رومانوی رنگ بہت نمایاں ہے لیکن انسانی نفسیات کے واضح حوالے بھی موجود ہیں۔افسانہ "صحرا کا منصور ایک مصور ہے جو سلمیٰ کے چہرے کے نقوش جب کاغذ پر منتقل کرتا ہے تو خود ہی اس حسن کا اسیر ہو جاتا ہے۔فطری سطح پر جنم لینے والے جذبہ محبت کو جب کش مکش حیات سے سابقہ پڑتا ہے تو مصنف کا ذہن شکست وریخت کا شکار ہو جاتا ہے۔لاحاصلی کا کرب اس افسانے کی فضا پر بہت نمایاں ہے اور اس پس منظر میں افسانے کا عنوان بھی بڑا معنی خیز بن جاتا ہے:

> "گزارنا ہو تو زندگی صحرا میں بھی گزاری جاسکتی ہے،اور منصور نے بھی زندہ رہنے کا فیصلہ کر لیا۔ایسے صحرا میں جو صرف اُفق تک ہی نہیں بلکہ اس سے بھی کہیں آگے تک پھیلا ہوا تھا جہاں کی ریت پر صرف اس کے اپنے پاؤں کے نشان لمحہ بھر کو اُبھر کر ہٹ جاتے تھے۔جہاں نہ راستے تھے نہ منزیں۔جہاں اب سلمیٰ کے نقش تھے نہ رنگ۔صحرا اب اصلی صحرا تھا،صحرائے فراق۔اس نے وہ تمام تصاویر ضائع کر دی تھیں جن میں سلمیٰ کے نقش تھے۔"(5)

"سات مسترد افسانے" مرتبہ: طاہر تونسوی، عرش صدیقی کے ابتدائی عہد کے لکھے گئے افسانے ہیں۔ان میں ابتدائی سطح پر وہ سارے رنگ موجود ہیں جو عرش صدیقی کے فن کی پہچان ہیں۔اگرچہ یہ کہانیاں بیانیہ انداز میں لکھی گئی ہیں لیکن ان میں جزوی سطح پر علامتی انداز اور فلیش بیک کی تکنیک بھی استعمال کی گئی کہ بعد میں عرش صدیقی کے افسانوں کا خاصا ٹھہری۔ عرش صدیقی کے ان جو افسانوں میں نفسیاتی شعور کا استعمال بھی اُجاگر ہوا ہے۔عورت، جنس اور طبقاتی افراط و تفریط بھی عرش صدیقی کے اہم موضوعات ہیں۔

"باہر کفن سے پاؤں "عرش صدیقی کے ذاتی سطح پر منتخب نو افسانوں پر مشتمل مجموعہ ہے۔اس مجموعے پر انہیں 1976ء میں آدم جی انعام بھی ملا۔اس مجموعے میں درج ذیل نو افسانے "مور کے پاؤں"، "بھیڑیں"، "تکمیل کا زخم، "فرشتہ"، "چوتھا مجوسی"، "ظلِ الٰہی"، "کتے"، "ہم نشینی کا عذاب" اور "باہر کفن سے پاؤں" شامل ہیں۔عرش صدیقی نے بہت کم افسانے لکھے لیکن اس کے باوجود انہوں نے اُردو کے افسانوی ادب میں اپنی ایک منفرد شناخت قائم کی۔ ان کے افسانوں میں زندگی اور زندگی کے معاملات کو افسانے کے کینوس پر خوب صورتی سے پیش کیا گیا ہے۔'باہر کفن سے پاؤں افسانوی ادب کے سرمائے میں ایک شاہکار اضافہ ہے۔اس میں موضوع اور تکنیک ہر دو اعتبار سے جدت کا احساس نمایاں ہے۔اگر موت کی سوچ اور اس کی عملی حقیقت انسانی ذہن پر اگر سوار ہو جائے تو انسان کی نفسی کیفیت کس قسم کی ہو گی؟ عرش صدیقی نے باطن کے نہاں خانوں میں چھپے خوف اور احساسات کو افسانے کے کینوس پر منتقل کیا ہے:

> "میرے باپ کے مردہ جسم پر گرم گرم پانی ڈالا گیا تو دادا جان نے محسوس کیا میت کے پاؤں کو ہلکی سی جنبش ہوئی ہے۔۔۔وہ گیلی اور ننگی لاش کو بازوؤں میں اٹھا کر کمرے کی طرف بھاگ کھڑے ہوئے۔یہ سب کچھ اس تیزی کے ساتھ رُونما ہو گیا کہ کسی کو ان کا راستہ روکنے کا ہوش ہی نہ آسکا۔سب یہی کہہ رہے تھے کہ بیٹے کی موت نے باپ کا دماغی توازن بگاڑ دیا ہے۔۔۔چند لوگ دادا جان کی طرف لپکے۔ انہوں نے کمرے میں داخل ہوتے ہی دروازہ اندر سے بند کر دیا۔۔۔کمرے میں انگھیٹی پہلے ہی سے

VOL- 9, ISSUE-1, 2025

Al-Safiir

https://al-safiir.com/index.php/Al-Safiir/About-the-Journal

2709-605X Online ISSN

2709-6041 Print ISSN

دہک رہی تھی۔ دادا جان نے میرے باپ کی لاش کو بستر پر لٹا کر کپڑے سے رگڑ رگڑ کر خوب صاف کیا۔ پھر اس پر گرم لحاف ڈال کر جسم کو ہاتھوں سے ملنا شروع کر دیا اور جب کچھ دیر بعد دروازہ کھلا تو لوگ یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ میرا باپ آہستہ آہستہ سکون کے سانس لے رہا ہے اور دادا جان کی آنکھوں میں آنسو ستاروں کی طرح چمک رہے ہیں۔"(6)

افسانے کے مرکزی کردار جمیل الرحمن واحد متکلم (کردار کا کرب پورے افسانے میں بہت نمایاں ہے۔ وہ ایک ایسے سفر پر گامزن ہے جس میں بر تر اقدار اور حیات ابدی کے حصول کا متمنی ہے۔ آج کے انسان کا سب سے بڑا المیہ یہ ہے کہ وہ انفرادی اور اجتماعی تشخص کھو چکا ہے۔ تہذیبی تغیرات اور مسلسل تبدیلیوں کی بدولت فرد اپنی شناخت بھی کھو چکا ہے۔ عرش صدیقی نے چوتھا مجوسی' میں عہدِ حاضر کے انسان کی نفی، شکست و ریخت اور ذہنی خلفشار کو پیش کیا ہے۔ "چوتھا تلمیحات اور امیجز کے ذریعے لکھا گیا افسانہ ہے۔ تین مجوسی ستارے کی روشنی کے نقش کی پیروی کرتے کرتے حضرت مریم تک پہنچے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش ایک نئے نظام کی بنیاد تھی۔ عہدِ حاضر میں ایک چوتھا مجوسی پیدا ہو چکا ہے جس کا نام یوسف ہے۔ یوسف بھی ستارے کی راہبری میں نئے زمانے اور نئے عہد کی تلاش میں چل رہا ہے لیکن مسلسل مسافت اور تھکن نے اس کو صرف مایوس ہی نہیں کیا بلکہ اس کو اپنی شناخت سے بھی محروم کر دیا ہے:

"تو تم اس ستارے کو بھی نہیں دیکھ سکتے، یہ جو اتنی شدت اور بے قراری سے چمک رہا ہے؟ تو تم اسی لئے کہتے ہو کہ یوسف پاگل ہو گیا ہے؟۔۔۔ مگر میں غلط نہیں کہہ رہا ہوں۔ یوسف پاگل نہیں ہوا اس کی نظر میں وسعت پیدا ہو گئی ہے۔ وہ تم سے بلند ہو گیا ہے۔ وہ زمین سے اوپر اٹھ گیا ہے۔ اب اس کی نظر دُور دُور تک پہنچ سکتی ہے۔ اوپر اٹھ کر وہ چیزوں سے قریب تر ہو گیا ہے۔ وہ تم سے زیادہ دیکھتا ہے، تم سے زیادہ سنتا ہے، تم سے زیادہ جانتا ہے۔۔۔ ہاں۔۔۔ لیکن وہ ڈرا ہوا ہے۔ وہ جدائی کے زخم سہہ چکا ہے۔ وہ تم سے الگ نہیں ہونا چاہتا۔۔۔ آؤ لوگو۔۔۔ الگ نہیں ہونا چاہتا۔۔۔ آؤ لوگو۔۔۔ میرے قریب آؤ۔۔۔ میری مدد کرو۔۔۔ اس رہزن ستارے سے مجھے بچاؤ۔۔۔ میری باتیں سنو، پھر تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ تمہارا یوسف پاگل نہیں ہوا۔" (7)

چوتھا مجوسی" دراصل ایک نئے عہد کی تلاش کا افسانہ ہے۔ اس میں فرد کی ذہنی و ریخت اور خارجی انتشار کے تسلسل نے یوسف (جو کہ عہدِ حاضر کے انسان کا نمائندہ ہے) کو تھکا دیا ہے لیکن وہ مایوس نہیں ہے۔ وہ زندگی کے اس انتشار میں بھی نئی دنیا کی تخلیق کا خواب دیکھتا ہے۔

عرش صدیقی کے افسانوں میں نفسیاتی اور جنسی حقیقت نگاری کا رنگ بہت نمایاں ہے۔ ان کے ہاں جنس کا بیان صرف لذت کوشی یا فیشن کے طور پر نہیں کیا گیا۔ وہ جنس کو ایک صحت مند جبلت کے طور پر لیتے ہیں۔ عرش صدیقی کے افسانوں میں موجود جنسی معاملات کے بیان پر تبصرہ کرتے ہوئے ڈاکٹر اے۔ بی اشرف لکھتے ہیں:

"عرش صدیقی کے ہاں جنس کا رویہ حقیقت پسندانہ ہے۔ جنسی تکمیل کا عمل ایک فطری جذبے کی تسکین ہے۔ عرش صاحب کے یہاں جنسی جذبہ کی تسکین بے حد ضروری ہے کیوں کہ عدم تکمیل کی

VOL- 9, ISSUE-1, 2025

Al-Safiir

https://al-safiir.com/index.php/Al-Safiir/About-the-Journal

2709-605X Online ISSN

2709-6041 Print ISSN

صورت میں نہ صرف Perversion کا خطرہ ہے بلکہ جرم اور گناہ کے لا متناہی سلسلے چھڑ جانے کا امکان ہے۔‘‘(8)

عرش صدیقی کے افسانوں میں ‘‘، ’’ظلِ الٰہی‘‘ اور ’’فرشتہ‘‘ میں جنسی موضوع کسی نہ کسی صورت موجود ہے۔ان افسانوں میں جنس کا بیان سطحی اور بر ملا صورت میں نظر نہیں آتا بلکہ عرش صدیقی نے بلیغ علامتوں کے تسلسل اور ایمائیت کی فضا تخلیق کی ہے۔اس سیریز کے افسانوں میں ’’فرشتہ بہت دلچسپ افسانہ اس کہانی کے ذریعے یہ بات واضح کی گئی ہے کہ جنسی احتیاج انسان کی بنیادی ضرورت ہے۔اس جبلت پر چاہے جتنی پابندیاں لگا دی جائیں، اخلاقی ضابطے مقرر کر دیئے جائیں، جنسی خواہش اپنی تسکین کے پہلو ڈھونڈ لیتی ہے۔اس افسانے میں ’’فرشتہ‘‘ لفظ کی معنویت کو کئی رنگوں سے اُجاگر کیا گیا ہے۔ایک طرف اس شخص کو فرشتہ کہا گیا ہے جو مرد ہو کر بھی مرد نہیں بن سکا اور فرشتہ کہلایا اور دوسری طرف ساس کی جنسی تسکین کرنے والا داماد فرشتہ بن کر سامنے آتا ہے جو سوکھی اور پیاسی دھرتی کی پیاس بجھاتا:

’’بیگم مراد کی آواز ایک دم طنزیہ ہو گئی اور اس نے ایک نفرت بھرا مختصر سا قہقہہ لگایا ’’ہاں‘‘ کہتے تو ٹھیک ہو۔جو شخص مرد ہو کر کبھی مردوں والا کام نہ کرے وہ فرشتہ ہی ہو سکتا ہے۔تم نے ان کو باہر سے دیکھا ہے اور میں ان کو اندر سے جانتی ہوں۔۔۔آدمی کا وقار آدمی بننے میں ہے نہ کہ فرشتہ بننے میں۔۔۔ تمہاری طرح فرشتہ بننا اور بات ہے۔تم نے تو گویا غیبی سہارا دیا ہے۔‘‘(9)

اگرچہ یہ افسانہ بیانیہ تکنیک میں لکھا گیا ہے لیکن اس میں تجسّس اور تحیر کی فضا مستقل طور پر قاری کی توجہ کو اپنی طرف کھینچے رکھتی ہے۔بیگم مراد کے جان دار کردار کے ذریعے عرش صدیقی نے ایسے نسائی کرداروں کی نمائندگی کی ہے جن کے اندر جبلی خواہشات اتنی منہ زور ہوتی ہیں جو سوسائٹی میں موجود روایتی جنسی تعلقات کی دیواروں کو بھی پھلانگ جاتی ہیں اور ان کے نزدیک جنسی تسکین ثواب قرار پاتی ہے:

’’دیکھا آئینے میں وہ تنہا نہیں تھی اس کے پیچھے قطار میں چار مرد کھڑے تھے۔مراد علی، افتخار علی شیر علی اور نور احمد۔وہ سوچنے لگی اگر بیوی مستقل بیمار ہے یا کوئی اور جائز وجہ ہو تو مرد اور عورت سے شادی کر سکتا ہے۔چار تک کی اجازت ہے اور وہ اپنے پیچھے کھڑے ہوئے چار آدمیوں کو دیکھ کر اور زیادہ مسکرائی۔‘(10)

" ظلِ الٰہی" میں بھی جنس کا منہ زور طوفان اتنا بلا خیز ہے کہ وہ اس کی زد میں رشتوں کو بھی لپیٹ میں لے میں لے لیتا ہے۔نادر ایک قلاش نواب زادہ ہے جو اپنی غیر اخلاقی حرکات اور رویوں کی وجہ سے اکیلا رہ گیا ہے، صرف اس کی بہن ثروت اس کے ساتھ ہے۔نادر کے ذہن پر جنسی خواہش اتنی سوار ہے کہ اسے اپنی بہن کے جسم میں بھی جنسی کشش محسوس ہوتی ہے۔ثروت کی آواز خواہشات کے طلسم کو توڑتی ہے۔جنس کے منہ زور طوفان کی آسودگی ایک طوائف سے میسر آتی ہے۔وہ اس طوائف کو " ظلِ الٰہی‘‘ کا لقب دیتا ہے۔اُردو افسانے میں مختلف جنسی رجحانات کو موضوع بنایا گیا ہے۔منٹو نے بھی تعلق حرمین پر افسانے لکھے ہیں۔یہ تعلق ذہنی سطح پر ہو یا عملی سطح پر انسانی نفس کی پیچیدگیوں اور جنسی خواہش کی منہ زوری کو ظاہر کرتا ہے۔عرش صدیقی نے کمال فنی مہارت سے اس افسانے میں جنسی موضوع کو پیش کیا ہے:

’’اب اسے صرف یہی ایک لفظ یاد آ رہا تھا۔اس نے اپنے دونوں ہاتھ سر کی طرف بڑھائے کہ عورت کو کھینچ کر پہلو میں لٹا لے۔وہ نہیں جانتا تھا اس عورت کا کیا نام ہے۔اسے صرف یہ معلوم تھا کہ سرہانے

VOL- 9, ISSUE-1, 2025

Al-Safiir

https://al-safiir.com/index.php/Al-Safiir/About-the-Journal

2709-605X Online ISSN

2709-6041 Print ISSN

ایک عورت بیٹھی محبت سے اس کا سر دبا رہی ہے۔حالانکہ اس کے پاس سر ہے ہی نہیں۔جسم ہے۔۔۔

صرف جسم۔

"نادر۔۔۔!"

اپنا نام سن کر وہ ہوش میں آگیا۔اس کے ہاتھ واپس اپنی جگہ آ گئے۔"(11)

افسانہ "کتے" بھی جنسی جبلتوں کی پیش کش کے لحاظ سے نفسیاتی تجزیے کا انداز لیے ہوئے ہے۔پروین کے والد کی وفات کے بعد وہ اپنے چچا کے گھر رہائش پذیر ہوتی ہے تو وہاں اس کے چچازاد اس کے گرد منڈلاتے رہتے ہیں۔یہ سارے کردار جنسیت زدگی کا شکار ہیں۔مجیب کے کتوں کی مڈبھیڑ کو پروین علامتی سطح پر محسوس کرتی ہے۔

عرش صدیقی کے افسانے موضوعات اور تکنیک کے اعتبار سے بڑے کامیاب ہیں۔وہ اُردو افسانے کے روایت اور عصر حاضر کی سچائیوں کو بہت اچھے طریقے سے سمجھتے ہیں۔عالمی ادب کا مطالعہ بھی انہیں افسانے میں نئی نئی راہ سجھانے میں مدد دیتا ہے۔وہ اپنے افسانوں میں منفرد موضوعات کے ساتھ نئی تکنیک کو بھی استعمال کرتے ہیں۔ان کے موضوعات میں یکسانیت کے بجائے تنوع اور زندگی کی رنگارنگی کا احساس ملتا ہے۔ان کے افسانے عہدِ حاضر کی بے یقینی اور شکست وریخت کے دور میں زندگی کی نئی نئی راہوں کا پتا دیتے ہیں۔ان کے افسانوں کی زیادہ تر فضا علامتی ہے۔عرش صدیقی کا علامتی نظام مبہم اور پیچیدہ نہیں ہے اس میں زندگی سے بھرپور مطابقت کا احساس ملتا ہے۔ڈاکٹر سلیم اختر ان کی افسانہ نگاری کے حوالے سے رقمطراز ہیں:

> "عرش صدیقی جب ارد گرد کی دنیا دیکھتا ہے اس میں پھیلی گندگی کو دیکھتا ہے اور اس گندگی میں کیڑوں کی طرح کلبلاتے انسانوں کو دیکھتا ہے تو وہ ان کی تصویر کشی لیے ویسے ہی رنگ استعمال کرتا ہے جو ان کی درست تصویر کشی کے لیے ضروری ہیں اسے نہ تو دنیا کی بدصورتی دور کرنے کا شوق ہے۔نہ وہ زندہ لے کر معاشرہ کی چولیں درست کرتا ہے۔"(12)

عرش صدیقی نے افسانوی کرداروں کی تخلیق پر خصوصی توجہ دی ہے۔ان کے کردار ہماری زندگی جڑے ہوئے ہیں لیکن ان کی نفسی کیفیات خالصتاً ان کی ذاتی سے ہونے کے باوجود فرد کی نمائندہ اس لیے ہم ایسے کرداروں کی نفسی پیچیدگیوں کے ذریعے زندگی کے مختلف موڑ پر جنم لینے والی ذہنی کیفیات کو سمجھنے کے قابل ہوتے ہیں۔عرش صدیقی کے کرداروں کو افسانے کی مجموعی فضا سے جوڑ کر اس طرح تخلیق کیا ہے کہ ان کا انفرادی رنگ بہت نمایاں ہو جاتا ہے اور یہ سارے کردار رنگے نہیں رہتے البتہ یہ کردار کسی نہ کسی ذہنی الجھن میں ضرور گرفتار ہیں۔ڈاکٹر انوار احمد لکھتے ہیں:

> "عرش صدیقی کے افسانوں کے کردار المیہ تو نہیں افسردہ اور خوف زدہ ضرور ہیں۔کبھی وہ بلندی پر پہنچ کے مراجعت کی سوچتے ہیں۔کبھی وہ ستارے کی کشش ڈرتے ہیں۔کبھی ہم نشینی اور قربت کبھی جنسی ہیجان سے اور کبھی زندوں کے ہاتھوں دفن ہونے سے۔"(13)

"باہر کفن سے پاؤں" اور "سات مسترد افسانے" ان دونوں افسانوی مجموعوں میں موضوعات کے تنوع اور تکنیک اور ہیئت کے تجربات کا رنگ بہت نمایاں ہے۔سات مسترد افسانوں میں رومانوی فضا اور حقیقت نگاری غالب ہے اور زیادہ تر افسان بیانیہ انداز میں لکھے گئے ہیں لیکن باہر کفن سے پاؤں میں شامل افسانے ان کے فن کا حاصل ہیں۔ان افسانوں میں وسعت اور گہرائی پائی جاتی ہے۔نفسیات انسانی کے گہرے شعور نے ان کو افسانوں میں کرداروں کی نفسی پیچیدگیوں کو اُجاگر کرنے میں مدد دی ہے۔ان کے اسلوب میں زبان و بیان کا استعمال بھرپور تہذیبی رچاؤ کے ساتھ کیا گیا ہے۔ماضی کی ٹوٹتی، بکھری اقدار اور

VOL- 9, ISSUE-1, 2025

Al-Safiir

https://al-safiir.com/index.php/Al-Safiir/About-the-Journal

2709-605X Online ISSN

2709-6041 Print ISSN

رشتوں کے درمیان پیدا ہونے والے غیر فطری جذبے بھی ان کے افسانوں کا موضوع بنتے ہیں۔انہوں نے عصر حاضر کی ذہنی اور سماجی شکست وریخت کو اپنے افسانوں کے ذریعے خوب صورتی سے پورٹریٹ کیا ہے۔اگرچہ انہوں نے بہت کم افسانے لکھے ہیں لیکن ان کا یہ تخلیقی سرمایہ افسانوی ادب میں خوب صورت اضافہ ہے اور ان کا نام اُردو کے معتبر افسانہ نگاروں میں شامل رہے گا۔

حوالہ جات

1۔شوذب کاظمی،عرش صدیقی۔حیات اور علمی وادبی خدمات،غیر مطبوعہ مقالہ برائے پی ایچ ڈی اُردو،بہاءالدین زکریایونی ورسٹی،ملتان،ص 3

2۔۔طاہر تونسوی،ڈاکٹر،عرش صدیقی کے سات مسترد افسانے''،بیکن بکس،ملتان،۱۹۸۸ء،ص 113

3۔انوار احمد،ڈاکٹر اُردو افسانہ ایک صدی کا قصہ،مقتدرہ قومی زبان اسلام آباد،۲۰۰۷ء،ص 26۔

4۔عرش صدیقی،''باہر کفن سے پاؤں،کاروانِ ادب،ملتان،اشاعت سوم،۱۹۹۳ء،ص 73

5۔ایضاً،11۔12

6۔عرش صدیقی،''باہر کفن سے پاؤں،کاروانِ ادب،ملتان،اشاعت سوم،۱۹۹۳ء،ص ۲۸۳۔۲۸۲

7۔ایضاً،ص 289

8۔طاہر تونسوی،ڈاکٹر،عرش صدیقی کے سات مسترد افسانے''،ص ۱۷۷

9۔عرش صدیقی،''باہر کفن سے پاؤں،کاروانِ ادب،ملتان،اشاعت سوم،۱۹۹۳ء،ص ۱۲۰

10۔یضاً،ص ۲۱۴۔۲۱۳

11۔یضاً،ص ۱۳۳

12۔ سلیم اختر،ڈاکٹر،کچھ نئے اور پرانے افسانہ نگار،سنگِ میل پبلی کیشنز،لاہور،۱۹۸۷ء،ص ۱۲۷

13۔انوار احمد،ڈاکٹر اُردو افسانہ ایک صدی کا قصہ،مقتدرہ قومی زبان اسلام آباد،۲۰۰۷ء،ص 27